۵۷

مولوی محمد علی صاحب کا چیلنج منظور

(فرمودہ ۱۰/ اگست ۱۹۲۸ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

دو سال کے قریب ہوئے کہ میں ڈلہوزی گیا تھا۔ وہاں مولوی غلام حسن خان پشاوری اور خاں دلاور خاں صاحب اسسٹنٹ کمشنر کہ وہ بھی سرحد کے ایک گاؤں کے رہنے والے ہیں ایک مبائع دوست کے ساتھ جن کا نام قاضی محمد شفیق صاحب ہے اور جو چارسدہ میں وکالت کرتے ہیں تشریف لائے۔ ان دونوں صاحبان نے اپنی آمد کا مقصد یہ بیان کیا کہ وہ چاہتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کے دونوں فریق میں جو کشمکش جاری ہے جس حد تک بھی ہو سکے بند کر دی جائے۔ گو اس وقت یہ دونوں صاحب تشریف لائے لیکن ایک اور تیسرے صاحب جن کا نام سید عبدالجبار شاہ صاحب ہے اور سابق بادشاہ سوات ہیں وہ بھی دو تین بار اس بارے میں قادیان آکر مجھ سے ملے تھے اور پوچھا تھا کہ کیا کوئی ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ آپس میں اتفاق قائم ہو جائے۔ یہ صاحب اس تحریک میں سب سے پہلے حصہ لینے والے ہیں یعنی ان تینوں میں سے پہلے ہیں۔ ممکن ہے کوئی اور صاحب بھی یہ تحریک کرتے رہے ہوں لیکن ان تینوں میں سے پہلے سید عبدالجبار شاہ صاحب نے تحریک کی۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ سات آٹھ سال سے وہ یہ تحریک کرتے رہے۔ دو دفعہ تو وہ اس غرض کے لئے قادیان آئے اور ایک دفعہ باہر ملے اور گفتگو کی ممکن ہے اس سے زیادہ دفعہ بھی باتیں ہوئی ہوں۔

میں نے سید عبدالجبار شاہ صاحب سے اس بارے میں کہا تھا کہ صلح کے دو طریق ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ سارے معاملات میں متحد ہو جانا یہ اتحاد عقائد کے کلی فیصلہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ جب دینی امور میں اختلاف ہو تو بغیر اس کے کہ عقائد میں اتحاد ہو جائے اتحاد کلی نہیں ہو

سکتا۔ اس بات کو انہوں نے بھی تسلیم کیا تھا۔

دوسری صورت میں نے یہ بتائی کہ ایک اتحاد جزوی ہوتا ہے۔ اس میں ساری طاقت اور قوت کو ایک جگہ نہیں صرف کیا جاتا۔ فریقین الگ الگ بھی رہتے ہیں اور مشترک مقاصد میں متحد بھی ہو جاتے ہیں۔ مخصوص عقائد کے لئے علیحدہ انتظام ہوتا ہے لیکن جن امور میں اتحاد ہوتا ہے ان میں مل جاتے ہیں اس کے متعلق میں نے کہا تھا کہ پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ سخت کلامی کو چھوڑ دیا جائے اور جب یہ چھٹ جائے اور باہم ملنا جلنا شروع ہو جائے تو پھر متحدہ امور میں ملنے کے لئے طبائع راغب ہو سکتی ہیں۔

گو سید عبدالجبار شاہ صاحب کا جوش طبیعت اس سے زیادہ چاہتا تھا لیکن مجھ سے گفتگو کرنے کے بعد وہ آمادہ ہو گئے کہ اس بات کو دوسرے فریق کے سامنے پیش کریں۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں دوسری دفعہ کی ملاقات کے نتیجہ میں یہ بات ہوئی۔ شاید ۱۹۲۴ء تھا جب اس غرض کے لئے وہ تشریف لائے۔ یہاں سے جانے کے بعد انہوں نے مجھے خط لکھا کہ میں نے لاہور یہ تحریک کی تھی۔ مولوی محمد علی صاحب تو اس پر راضی نظر آتے تھے لیکن کچھ اور آدمی (جن کے انہوں نے نام لکھے تھے مگر ان کے نام لینے کی میں اس وقت ضرورت نہیں سمجھتا۔) انہوں نے روک ڈال دی اور بات بیچ ہی میں رہ گئی میں پھر کوشش کروں گا۔

اس کے بعد ۱۹۲۶ء میں مولوی غلام حسن خاں صاحب پشاوری اور خاں صاحب دلاور خاں صاحب اسسٹنٹ کمشنر نوشہرہ دونوں صاحب ڈلہوزی تشریف لائے اور انہوں نے یہ سوال اٹھایا۔ میں نے یہی امور جو پہلے بیان کر چکا ہوں ان کے سامنے بیان کئے۔ انہوں نے بغیر کسی قسم کے اختلاف کے ان سے اتفاق ظاہر کیا اور مولوی غلام حسن خاں صاحب نے کہا میں سمجھتا ہوں اب صلح ہو جائے گی غالباً انہوں نے ہی یہ بھی کہا کہ میں مولوی محمد علی صاحب کے پاس جاتا ہوں اور ان سے بات کر کے آتا ہوں۔ چنانچہ وہ گئے اور مولوی محمد علی صاحب سے جو ان دنوں ڈلہوزی میں ہی تھے ملے۔ اور پھر آکر کہا میں نے مولوی صاحب سے گفتگو کی ہے انہوں نے اس بات کو پسند کیا ہے۔ اس پر میں نے ایک اعلان لکھ دیا جس میں لکھا چونکہ کسی فریق کے حد سے بڑھ جانے پر بعض دفعہ الزامی جواب کی ضرورت بھی پیش آتی ہے اس لئے میں سردست اس اعلان کو تین ماہ کی مدت سے مشروط کرتا ہوں اس تین ماہ کے عرصہ میں تو خواہ کوئی حالات بھی پیش آئیں اور الزامی جواب نہ دینے سے نقصان بھی ہو تب بھی اس اعلان کو قائم رکھا جائے گا

لیکن تین ماہ کے بعد یہ دیکھا جائے گا کہ آیا دوسرے فریق نے کوئی اصلاح کی ہے یا نہیں۔ اگر اس کا رویہ درست ہؤا یا ایسا اشتعال انگیز نہ ہؤا کہ جس کی وجہ سے الزامی جوابات کی ضرورت پیش آئے تو پھر اس اعلان کی مدت کو لمبا کر دیا جائے گا ورنہ دوبارہ اعلان کر کے مجبوری کی وجہ سے اس اعلان کو منسوخ کر دیا جائے گا۔

جس اعلان میں یہ لکھا گیا وہ میں نے مولوی غلام حسن خاں صاحب کو دیا جو اسے مولوی محمد علی صاحب کے پاس لے گئے اور پھر انہوں نے مجھے بتایا کہ اس اعلان کو مولوی صاحب نے پسند کیا ہے اور انہوں نے بھی ایک اعلان لکھا ہے جو پیغام صلح میں شائع کرا دیں گے۔ میں نے اپنا اعلان اور مولوی صاحب کا اعلان بھی "الفضل" میں شائع کرا دیئے۔

اس کے بعد ہماری طرف سے قطعی طور پر اخبارات میں کوئی تحریر نہ شائع کی گئی۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس سے پہلے بھی ہمارے اخبارات کی تحریرات میں بہت حد تک یہ سلسلہ بند ہو چکا تھا۔ شروع شروع میں جب زور تھا اور میں تو یہی کہوں گا کہ اس وقت بھی غیر مبائعین کی طرف سے زیادتی کی جاتی تھی اس وقت ادھر سے بھی اسی رنگ میں لکھا گیا لیکن پھر ہمارے اخبارات نے بہت حد تک لکھنا چھوڑ دیا اور اس تحریک کے بعد تو قطعاً چھوڑ دیا۔ اور غالباً دو تین ماہ تک "پیغام صلح" میں بھی کچھ نہ لکھا گیا۔ میرا خیال ہے۔ دسمبر ۱۹۲۶ء تک کچھ نہ لکھا گیا۔ لیکن اس کے بعد ۱۹۲۷ء کے شروع میں اس قسم کے مضامین پہلی سہ ماہی میں نکلے جن میں معاہدہ کی پابندی نہ کی گئی تھی۔ دوسری سہ ماہی میں اس سے زیادہ نکلے اور پھر تیسری سہ ماہی میں اس سے بھی زیادہ اور چوتھی میں غالباً اس سے بھی زیادہ مگر میرے حکم کے ماتحت ہماری جماعت میں خاموشی رہی۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۷ء کے آخر میں کھلم کھلا بعض ایسے امور کی اشاعت ان کے بہت سے افراد کی طرف سے ہوتی رہی جو درست تعلقات کے لئے بہت ناقص اور قابل اعتراض تھے۔ میرا جہاں تک خیال ہے مولوی محمد علی صاحب ابتداء میں ان میں شامل نہ تھے۔ اور میں دوسروں کی نسبت بھی یہ نہیں کہتا اور نہ میں نے کہا کہ وہ فتنہ کے بانی تھے۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ جب فتنہ ان کے ہاتھ آیا تو نہایت شوق کے ساتھ انہوں نے اس میں حصہ لیا۔ ہم اس کا ثبوت دے سکتے ہیں۔ گو زبانی امور کے ثبوت ایک حد تک بہت مشکل ہوتے ہیں لیکن ہم مہیا کر سکتے ہیں۔ بعض اخبار والوں نے بتایا کہ یہ لوگ ہمارے پاس آئے اور خواہش کی کہ ان امور کو اخبار میں شائع کریں۔ بعض غیر احمدی معززین کی چٹھیاں آئیں۔ وہ لوگ احمدیہ انجمن

اشاعت اسلام کے جلسہ پر لاہور آئے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک آنریری مجسٹریٹ صاحب نے جن کا مولوی محمد علی صاحب سے بھی تعلق ہے لکھا کہ ایک مجلس میں ایک شخص قرآن ہاتھ میں لے کر اور قسمیں کھا کھا کر ان باتوں کی اشاعت کر رہا تھا۔

غرض لاہور کے بعض اخبار نویسوں اور بعض معززین کی تحریروں اور زبانی پیغاموں سے ہمیں معلوم ہؤا کہ یہ لوگ اس فتنہ میں دخل دے رہے ہیں لیکن باوجود اس کے میں یہ نہیں کہتا کہ یہ اس فتنہ کے بانی تھے۔ ہاں میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ ان کے دلوں میں چونکہ مجھ سے نفرت اور بغض تھا اس لئے اس معاہدہ کو بھلا کر انہوں نے ایسی باتیں پھیلانی چاہیں۔ گو ان باتوں کی بنیاد رکھنے والے اور ہی تھے لیکن یہ لوگ ذاتی عناد اور دشمنی کی وجہ سے ان میں شامل ہو گئے۔ بہر حال ان باتوں کے پھیلانے میں مولوی محمد علی صاحب کے گروہ نے حصہ لیا۔ میں مانتا ہوں مولوی صاحب نے خود ابتداء میں حصہ نہیں لیا یا کم از کم میرے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں اور میں اس بات کا عادی نہیں کہ جس بات کا ثبوت کوئی نہ ہو وہ کہوں۔ بعض دوستوں نے مجھے کہا ہے کہ ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اشتہار بازی کرنے والے ان کے پاس جاتے رہے ان سے مشورہ کرتے رہے اور بعض نے یہ بھی چشم دید شہادت دی کہ ان میں سے ایک کو ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب کے ساتھ ٹانگہ میں بیٹھا ہؤا دیکھا لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ سمجھ لیا جائے مولوی صاحب نے ان کی باتوں کی تصدیق کی۔ جہاں تک میرا خیال ہے مولوی صاحب کا ان لوگوں کی باتوں میں حصہ لینا ثابت نہیں۔ مگر بعض دوسروں کا حصہ لینا ثابت ہے خواجہ کمال الدین صاحب وغیرہ نے حصہ لیا۔ ان کی طرف سے باہر چٹھیاں بھیجی گئیں۔ چنانچہ ایک نے خاں دلاور خاں صاحب کو بھی چٹھی لکھی۔

غرض تحریری اور تقریری طور پر ان کی طرف سے ہمارے خلاف باتیں جاری رہیں۔ ہم ان کا جواب دے سکتے تھے۔ دے سکتے ہیں اور اگر ادھر سے اصرار جاری رہا تو شاید دینا پڑے لیکن چونکہ ایسے امور میں دخل دینا انسان کی فطرتی شرافت پر گراں گزرتا ہے۔ اور باوجود ان حالات کے ایک شریف آدمی دخل دینے سے خواہ جواباً ہی ہو حتی الوسع پرہیز کرتا ہے۔ گو اپنی حفاظت اور بچاؤ کے لئے جواب دینا بھی پڑتا ہے اور جواب دینا جائز بھی ہے لیکن چونکہ طبیعت پر ایک قسم کا بوجھ پڑتا ہے اس لئے پرہیز کیا جاتا ہے۔ لڑائی دفاعاً جائز ہے مگر رسول کریم ﷺ نے ایک لمبے عرصہ تک اس سے پرہیز کیا۔ جب آپؐ نے لڑائی شروع کی تو عقلاً اور اخلاقاً اس

سے بہت پہلے آپ ؐ کو حق تھا کہ مقابلہ کرتے۔ اگر آپ مکہ سے نکلنے کے معاً بعد مکہ پر حملہ کر دیتے تو یہ آپ ؐ کے لئے جائز تھا کیونکہ کفار کے مظالم بہت بڑھ گئے تھے مگر آپ ؐ نے لڑائی شروع نہ کی اور اس وقت تک نہ کی جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم نہ آگیا کہ لڑائی کا جواب لڑائی سے دو۔ غرض بعض امور جائز ہوتے ہیں مگر فطرت ان سے کراہت کرتی ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے مسلمان لڑائی سے کراہت کرتے ہیں حالانکہ دشمن سے لڑنا جائز ہے۔ تو ہم جواب دے سکتے تھے اور دے سکتے ہیں اور اگر مجبور کیا گیا تو انشاء اللہ دیں گے لیکن جہاں تک ہو سکے گا ذاتی واقعات کو بیچ میں لانے سے پرہیز ہی کریں گے۔

بہرحال انہوں نے ان باتوں کو لیا اور لوگوں میں پھیلایا اور مجھے اور جماعت کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ میں نے بتایا ہے ہمارے پاس اس کے متعلق غیر احمدی معززین کی تحریریں ہیں اور ممکن ہے کوشش کی جائے تو غیر مبائعین کے بعض ایسے خطوط بھی مل جائیں جن کے ذریعہ سے ان باتوں کی اشاعت کی گئی ہو۔

خیر انہوں نے یہ طریق جاری رکھا مگر میں نے پھر بھی اپنے اخبارات کو روکے رکھا یہاں تک کہ ۱۷/ جون کو جلسوں کے لئے جو تحریک کی گئی تھی اس کی انہوں نے مخالفت شروع کر دی اور اس رنگ میں مخالفت شروع کر دی کہ گویا ہم احمدی خاتم النّبیّن ﷺ کے منکر ہیں حالانکہ دنیا جانتی ہے ہم منکر نہیں اور ہم رسول کریم ﷺ کو خاتم النّبیّن سمجھتے ہیں اور جب تک ہم رسول کریم ﷺ کو خاتم النّبیّن سمجھتے ہیں کسی کا حق نہیں ہے کہ وہ کہے ہم خاتم النّبیّن کے منکر ہیں۔ کوئی انسان یہ تو کہہ سکتا ہے کہ میں خاتم النّبیّن کے جو معنی کرتا ہوں وہ صحیح ہیں اور جو تم معنی کرتے ہو غلط ہیں۔ وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ جو معنی تم کرتے ہو ان کے رو سے خاتم النّبیّن کا انکار ہو جاتا ہے مگر وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم خاتم النّبیّن کے منکر ہو۔ جب ہم کہتے ہیں کہ ہم اس کے قائل ہیں تو پھر اس کا منکر کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ مگر انہوں نے ہم پر یہ حملہ کیا اور نہ صرف اس تحریک پر برا منایا بلکہ جب جلسے ہو چکے اور نہایت کامیاب جلسے ہوئے تو ان جلسوں کو ناکام بتانے کی کوشش کی گئی حالانکہ غیر احمدیوں اور ہندوؤں تک نے اقرار کیا کہ جلسے بہت کامیاب ہوئے ہیں۔ لاہور کے جلسہ کو ہی ان لوگوں نے ناکام بتایا لیکن اسی جلسہ کے متعلق ایک ہندو وکیل لالہ امرناتھ صاحب چوپڑہ نے اخبار انقلاب (۱۷/ جولائی ۱۹۲۸ء) میں ایک مضمون شائع کرایا جس میں اس جلسہ کی کامیابی کا اعتراف کیا اور لکھا جو تقریریں بانی اسلام کے

متعلق کی گئیں ان کا بہت اچھا اثر سامعین پر ہؤا۔ گویا لاہور کا جلسہ ایک ہندو کو تو کامیاب نظر آیا مگر ان لوگوں کو کامیابی نہ دکھائی دی جو اپنے آپ کو رسول کریم ﷺ کا اصل درجہ سمجھنے والے قرار دیتے ہیں۔ پھر بنگال کے ایک مشہور اخبار "سلطان" (۲۱/ جولائی ۱۹۲۸ء) نے جو پہلے ہمارے خلاف لکھتا رہا لکھا جماعت احمدیہ نے ۱۷/ جون کو رسول کریم ﷺ کی سیرت بیان کرنے کے لئے ہندوستان بھر میں جلسے منعقد کئے ہمیں اطلاعات موصول ہوئی ہیں کہ تقریباً سب جگہ کامیاب جلسے ہوئے اور یہ تو ایک حقیقت ہے کہ اس نواح میں احمدیوں کو ایسی عظیم الشان کامیابی ہوئی ہے کہ اس سے قبل کبھی نہیں ہوئی اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت احمدیہ روز بروز طاقتور ہو رہی ہے اور لوگوں کے دلوں میں جگہ حاصل کر رہی ہے ہم خود بھی ان کی طاقت کا اعتراف کرتے ہیں۔

یہ ان لوگوں کی رائیں ہیں جنہوں نے ۱۷/ جون کے جلسے دیکھے اور جنہیں ہماری جماعت سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن ان کے مقابلہ میں غیر مبائعین نے بار بار لکھا کہ جلسے ناکام ہوئے ان کی امیدیں پوری نہیں ہوئیں۔ اگر مذہبی طور پر اختلاف ہوتا اور اس وجہ سے لکھتے تو کہتے یہ خاتم النبیّن کے قائل نہیں مگر انہوں نے تو جلسوں کے بعد ان جلسوں کو ناکام دکھانے کی کوشش کی جس سے ثابت ہے کہ یہ محض ان کا عناد اور دشمنی تھی۔ اس بات کے اور بھی ثبوت ہیں مگر اس وقت میں اس بحث کے لئے کھڑا نہیں ہؤا اس لئے اسے چھوڑتا ہوں۔

انہی دنوں ایک شخص نے جو مبائعین میں سے ہیں جن کی طبیعت جوشیلی ہے اور جب وہ جوش میں آتے ہیں تو بعض دفعہ انہیں خیال نہیں رہتا کہ میرے الفاظ کے لوگ کیا معنے لیں گے۔ ان کے اخلاص میں شبہ نہیں وہ کام کرنے والے آدمی ہیں اور اپنے علاقہ میں تعلیم کے لئے کوشش کرتے رہتے ہیں۔ احمدیت بھی ان کے دل میں اس قدر جاگزیں ہے کہ وہ اپنے ہر خط میں مجھے لکھتے ہیں دعا کریں میرے بچے پکے اور مخلص احمدی ہوں۔ مگر انہوں نے جوش میں ایک خط لکھ دیا جس میں لکھا کہ ۱۷/ جون کے جلسوں میں لیکچر دینے والوں کے لئے کتابوں کی جو فہرست شائع کی گئی اس میں فلاں فلاں کتاب کا نام نہیں لکھا گیا یہ تنگ دلی پر مبنی ہے حالانکہ ہو سکتا ہے کہ فہرست لکھنے والے کے ذہن میں وہ کتابیں نہ ہوں۔ مگر انہوں نے یہ خیال نہ کیا کہ انسان سے غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ پھر ہو سکتا ہے تنگ دلی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے کہ دوسرا فریق ناجائز فائدہ نہ اٹھالے ذکر نہ کیا گیا ہو۔ ہماری طرف سے اس وقت تک کئی کتابیں

شائع ہو چکی ہیں جن میں عام اسلامی مسائل درج ہوتے ہیں مگر اس فریق نے کبھی ان کے پڑھنے کی تحریک نہیں کی یہ سب باتیں ان سے نظرانداز ہو گئیں اور انہوں نے لکھا کہ کتابوں کا نام تنگ دلی کی وجہ سے نہیں لکھا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کے متعلق لکھا کہ نبی کریم ﷺ کے متعلق پاکیزہ تحریک کے بارے میں بے ہودہ نیش زنی کر کے لاہوری جماعت نے اپنی نہایت افسوسناک تنگ دلی و تعصب کا ثبوت دیا اور "پیغام صلح" نے سرورق پر آیت تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا (اٰل عمران ۶۵) لکھ کر غیر مسلموں تک کے ساتھ اشتراکی امور میں مل کر کام کرنے کی جو دعوت لاہوری جماعت نے دے رکھی ہے۔ اس کے برخلاف یہ طریق عمل دکھایا ہے۔

اس کا جواب دیتے ہوئے "پیغام صلح" نے ہمارے متعلق لکھا ان کا اختیار ہے کہ وہ جو چاہیں کریں صلح کریں یا جنگ کریں ہم دونوں حالتوں میں ان کے عقائد کے خلاف جو اسلام میں خطرناک تفرقہ پیدا کرنے والے ہیں ہر حال میں جنگ کریں گے۔ میں اس وقت پھر اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ ہمارے عقائد اسلام میں تفرقہ پیدا کرنے والے ہیں یا انہوں نے اس رنگ میں ان کو پیش کیا ہے۔ بہرحال انہوں نے لکھا کہ ہم صلح کریں یا جنگ وہ ہمارے خلاف جنگ کرتے رہیں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ کونسا عقیدہ تھا جس کے خلاف انہوں نے یہ جنگ کا اعلان کیا۔ وہ یہی تھا کہ سارے ہندوستان میں جلسے ہوں اور ان میں رسول کریم ﷺ کی پاکیزہ سیرت بیان کی جائے کیونکہ جس مضمون پر یہ اعلان جنگ کیا گیا اس میں مضمون نویس نے ایک طرف تو یہ لکھا تھا کہ خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب کی کتابوں کے نام کیوں نہ شائع کئے گئے اور دوسری طرف یہ لکھا تھا کہ جو جلسے رسول کریم ﷺ کی عظمت کے اظہار کے لئے منعقد ہونے والے تھے ان کی غیر مبائعین نے کیوں مخالفت کی۔ اس پر پیغام صلح نے لکھا ان کے عقائد جو تفرقہ پیدا کرنے والے ہیں ان کے خلاف ہر حال میں جنگ کی جائے گی۔ پس تفرقہ ڈلوانے والے عقائد میں سے ایک عقیدہ ۱۷/ جون کے جلسوں کی تحریک تھی۔

میں نے اس کے متعلق لکھا ہماری جماعت کے لوگ اس جنگ کے دفاع کے لئے تیار ہو جائیں اور ان صداقتوں کے پھیلانے کے لئے مستعد ہو جائیں جو خدا تعالیٰ نے ان کو دی ہیں اور اس بغض و کینہ کو انصاف اور عدل کے ساتھ مٹانے کی کوشش کریں جس کی بنیاد ان لوگوں

نے رکھی ہے اور اس فتنہ اور لڑائی کا سدباب کریں جس کا دروازہ انہوں نے کھولا ہے اور کوشش کریں کہ مسلمانوں کے اندر اس صحیح اتحاد کی بنیاد پڑ جائے جس کے بغیر آج مسلمانوں کا بچاؤ مشکل ہے اور جسے صرف اپنی ذاتی اغراض کے قیام کے لئے یہ لوگ روکنا چاہتے ہیں اور کوشش کریں کہ ان میں سے انصاف پسند روحیں اپنی غلطی کو محسوس کرکے آپ لوگوں میں آ شامل ہوں تاکہ جس قدر بھی ہو سکے اس اختلاف کی شدت کو کم کیا جاسکے۔ اس میں مَیں نے یہ بھی ظاہر کیا تھا کہ وہ معاہدہ جو ڈلہوزی میں ہوُا تھا اسے توڑنے کی ابتداء ان لوگوں نے کی۔

اس کے جواب میں مولوی محمد علی صاحب نے ایک مضمون شائع کیا ہے جس میں بہت زیادتی کی ہے اور بہت سختی سے کام لیا ہے۔ مجھے گالیاں دی گئی ہیں اور میرے خوابوں پر تمسخر اڑایا گیا ہے۔ میں ان سب باتوں کو قطعی طور پر نظرانداز کر دیتا ہوں کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں مسلمانوں میں یہی حد سے بڑھا ہوُا جوش ہے جو دوسروں کے سامنے انہیں ذلیل کر رہا ہے۔ مسلمان آپس میں مل کر کام کرنے کے لئے تو تیار نہیں ہیں مگر ہندوؤں سے مل کر کام کر سکتے ہیں اسی جوش میں مولوی محمد علی صاحب آگئے ہیں اور انہوں نے سختی کی ہے۔ کچھ تعجب نہیں کہ کچھ دن کے بعد وہ خود اس پر ندامت محسوس کریں اور کوئی تعجب نہیں ان کی جماعت کے شریف الطبع لوگ ندامت محسوس کریں کہ مولوی صاحب نے بیجا سختی کی ہے۔ وہ ایسا کریں یا نہ کریں یہ ان کا خدا سے معاملہ ہے مگر ان باتوں کا جواب دینے کے لئے میں تیار نہیں ہوں۔ جس بات کے متعلق اس وقت میں کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں نے اس مضمون میں ایک فقرہ لکھا تھا جو یہ تھا۔

"اگر دوسرے فرقوں بلکہ غیر مذاہب کے غیر جانب دار لوگوں سے بھی پوچھا جائے گا تو وہ بلا تردّد گواہی دیں گے کہ پیغام صلح جو کچھ ہمارے خلاف لکھتا ہے اور جس طرز سے لکھتا ہے اس سے بیسواں حصہ بھی ہم نہیں لکھتے"۔

اس پر مولوی محمد علی صاحب لکھتے ہیں۔

"ہمیں یہ چیلنج منظور ہے معاہدہ کے بعد کی دونوں فریق کی تحریروں کو لے لیا جائے اور جماعت احمدیہ سے باہر کوئی تین مسلمان منصف بتراضی فریقین مقرر کرلئے جائیں۔ بیسویں اور دسویں کے فیصلہ کی ضرورت نہیں وہ جس فریق کی طرف سے معاہدہ کے بعد صریح زیادتی کی ابتداء قرار دیں وہ دوسرے فریق سے معافی مانگے"۔

جب مولوی صاحب نے فیصلہ کا ایک طریق منظور کر لیا ہے تو مجھے بھی ان کی گالیوں کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ایسا رنگ پیدا ہو جو مسلمانوں میں تفرقہ کا موجب ہو۔ اگرچہ مولوی صاحب کے ایک دوست نے حال ہی میں لکھا ہے کہ وہ ہمیں مسلمانوں کا ایک فرقہ نہیں سمجھتے بلکہ اسلام سے علیحدہ مذہب قائم کرنے والے قرار دیتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک شیعہ' اہلحدیث' حنفی وغیرہ تو سارے کے سارے اسلامی فرقے ہیں لیکن ہم مبائعین اسلامی فرقہ نہیں۔ خود مولوی صاحب بھی ہمیں اسلامی فرقہ مانتے ہیں یا نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ شاہ پور کے ڈسٹرکٹ بورڈ کے الیکشن میں مولوی محمد علی صاحب کا ایک ہم خیال پچھلے دنوں جب کھڑا ہوا۔ تو وہاں کی ہماری جماعت کے لوگوں نے کہا وہ دوسرے شخص کو رائے دیں گے۔ اس پر مولوی محمد علی صاحب کی طرف سے میرے پاس چٹھی آئی جس میں لکھا تھا کہ آپ کے مبائع ایک غیر احمدی کو ووٹ دینا چاہتے ہیں۔ ایک غیر مبائع کے مقابلہ میں یہ کیسے افسوس کی بات ہے۔ یہ فقرہ بتاتا ہے کہ ضرورت کے وقت دوسرے مسلمانوں کی نسبت مبائع ان کو پکے مسلمان نظر آتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک مبائعین کو اپنے ووٹ ایک غیر احمدی کے مقابلہ میں غیر مبائع کو دینے چاہئیں۔ تو ووٹوں کے وقت ہم کو دوسروں کی نسبت زیادہ پکا مسلمان سمجھتے ہیں مگر دوسرے معاملات میں اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ یہ لوگ ہم سے دو رنگ میں سلوک کرتے ہیں۔ جب ووٹ لینے کا وقت آتا ہے اس وقت تو ہم دوسرے مسلمانوں کی نسبت پکے مسلمان بن جاتے ہیں اور جب ۱۷/ جون کے جلسوں کی تحریک ہوتی ہے تو ہم سے بدتر کوئی نہیں رہتا۔

بہرحال مولوی صاحب نے فیصلہ کا جو طریق پیش کیا ہے اسے میں منظور کرتا ہوں اور اس کے لئے تین آدمیوں کو لے لیتا ہوں جو معاہدہ کے بانی تھے۔ یعنی سید عبدالجبار صاحب' خان صاحب مولوی غلام حسن صاحب۔ خان دلاور خان صاحب۔ ان میں سے دو تو غیر مبائع ہیں اور ایک نے اس معاہدہ کے بعد بیعت کی ہے۔ پہلے وہ بھی غیر مبائع تھے وہ بیعت میں حدیث العہد ہیں۔ ایک سال کے قریب انھیں بیعت میں داخل ہوئے ہوا ہوگا اور عقیدتاً وہ اب بھی بعض امور میں مجھ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ چونکہ ان تینوں میں سے صرف ایک مبائع ہیں اس لئے میں ایک ممبر اور اپنی طرف سے پیش کرتا ہوں اور وہ میاں بشیر احمد صاحب ہیں۔ اس طرح دو مولوی صاحب کی طرف سے اور دو میری طرف سے ہوئے۔ ان کے سامنے لٹریچر رکھ دیا جائے

جسے دیکھ کر وہ فیصلہ کریں کہ اصولی بحث کرنے سے کیا مطلب تھا اور کس نے اس کے مطابق کام کیا اور کس نے ذاتیات پر حملے کئے۔ یہ اصحاب دو طریق پر تحقیقات کریں ایک یہ کہ میری اور مولوی محمد علی صاحب کی تحریروں اور تقریروں کو دیکھیں اور دوسرے جماعت کے دوسرے لوگوں کی تحریروں کو دیکھیں اور فیصلہ کریں کس نے ابتداء کی اور کس کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی ہوئی۔

اگر یہ کمیٹی میرے متعلق فیصلہ کر دے کہ میری طرف سے زیادتی ہوئی نہ کہ مولوی صاحب کی طرف سے تو آپ لوگ گواہ رہیں اور اگر میں اس بات پر قائم نہ رہوں تو جھوٹا سمجھا جاؤں کہ میں علے الاعلان معافی مانگوں گا۔ اور اگر یہ فیصلہ کرے کہ مولوی محمد علی صاحب کی طرف سے زیادتی ہوئی تو وہ اقرار کریں کہ معافی مانگیں گے۔ اسی طرح جماعتوں کے متعلق ہو گا۔ اگر یہ فیصلہ ہو کہ ہماری جماعت کے لوگوں نے معاہدہ توڑا تو جن اخبارات نے توڑا ہو گا وہ معافی مانگیں گے۔ یعنی اگر ثابت ہو جائے کہ الفضل نے اس معاہدہ کو توڑا تو الفضل معافی کا اعلان کرے گا اور اگر یہ ثابت ہو کہ پیغام صلح نے توڑا تو پیغام صلح معافی مانگے گا۔ اور اگر کسی فرد کی طرف سے معاہدہ کا توڑنا ثابت ہوا تو اس سے معافی کا اعلان کرایا جائے گا۔

پس ان چار آدمیوں کی کمیٹی بیٹھ جائے ان کے سامنے سارا معاملہ رکھ دیا جائے لیکن اگر مولوی محمد علی صاحب کو یہ چار آدمی منظور نہ ہوں تو ان کے سوا اور چار اصحاب لے لئے جائیں جن میں ایک ان کا ہم خیال ہو اور ایک میری جماعت کا اور دو غیر احمدی ہوں۔ میری طرف سے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب ہوں گے اور غیر احمدی اصحاب میں سے سر محمد اقبال صاحب اور سر عبد القادر صاحب کو میں تجویز کرتا ہوں۔ ان کا مجھ سے بھی تعلق ہے مگر لاہور میں رہنے کی وجہ سے مولوی صاحب سے زیادہ تعلق ہے۔ چوتھا آدمی مولوی صاحب تجویز کر دیں۔

مولوی صاحب نے لکھا ہے پہلے زبانی اور خط و کتابت کے ذریعہ ان پر حملے کئے گئے۔ اگر ایسا کیا گیا ہے تو مولوی صاحب وہ خطوط پیش کر دیں بات صاف ہو جائے گی۔ باقی ان کا قاضی محمد یوسف صاحب پر الزام لگانا درست نہیں۔ اگر یہ پنچ انہوں نے منظور کر لیا اور تحقیقات کے لئے بیٹھا تو ہم ثابت کریں گے کہ قاضی صاحب کی کتاب کے شائع ہونے سے قبل پیغام ہمارے خلاف حصہ لے رہا تھا۔ اس پنچ کا یہ بھی کام ہو گا کہ وہ فیصلہ کرے مسائل پر بحث کس رنگ میں

ہونی جائز تھی۔ یوں تو پہلے بھی مسائل پر ہی بحث ہوتی تھی سوال یہ تھا کہ دوسرے کو ذلیل کرنے اور لوگوں کو اس کے خلاف بھڑکانے کی کوشش نہ کی جائے۔ اب یہ دیکھا جائے گا کہ اسی طرح کیا گیا یا نہیں؟ مسائل کی بحث میں شرعی دلائل سے کام لیا گیا یا لوگوں کو اشتعال دلایا گیا۔ اب دیکھو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے حضرت مسیحؑ نے مردے زندہ نہیں کئے۔ اس پر مولوی کہا کرتے تھے مرزا صاحب معجزات کے منکر ہیں۔ کیا یہ بحث ان کی جائز تھی یا صرف لوگوں کے بھڑکانے کے لئے تھی۔ یہ محض بھڑکانے کے لئے تھی۔ پس دیکھنا یہ ہے کہ جو بحث کی گئی وہ بھڑکانے کا پہلو رکھتی ہے یا نہیں۔ اس اصل کے ماتحت مسائل کی بحث دیکھی جائے گی۔ پہلے بھی یہی بحث کا رنگ تھا جس کی وجہ سے معاہدہ کیا گیا تھا ورنہ صرف ذات پر حملے پہلے بھی نہیں کئے جاتے تھے۔

باقی زبانی باتوں کے متعلق میرے پاس کوئی اطلاع نہیں پہنچی لیکن اس کے مقابلہ میں مولوی صدرالدین صاحب اور میر مدثر شاہ صاحب کے متعلق پشاور کی جماعت نے لکھا کہ وہ کہتے ہیں برلن کی مسجد کا روپیہ آپ کھا گئے ہیں اور یہ جو کہا گیا ہے کہ حکومت نے شرط لگائی تھی کہ اگر اس قسم کی عمارت نہ بناؤ گے تو عمارت گرادی جائے گی یہ جھوٹ بولا ہے لیکن خدا کی قدرت ان لوگوں کو خود بخود جواب مل گیا۔ انھوں نے جو برلن میں مسجد بنائی اس کے متعلق اسی قسم کا نوٹس ان کو ملا اس کی وجہ سے انھوں نے دنیا کے بادشاہوں کو چٹھیاں لکھیں کہ مدد کی جائے ورنہ مسجد گرادی جائے گی۔ جب ان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو انھوں نے عربی' ترکی اور فارسی میں اعلان چھپوا کر بھیجے کہ چندہ بھیجو ورنہ مسجد گرادی جائے گی۔ یہ اعلان میرے پاس موجود ہے۔ گویا خدا نے ان لوگوں کو ان کے اعتراضوں کا جواب دے دیا۔ میں نے اس اعلان کو بھی شائع نہ ہونے دیا جو میرے پاس جرمنی سے پہنچ چکا تھا اور اب تک ہے۔

اسی طرح مولوی صدرالدین صاحب نے بیان کیا کہ مسجد لنڈن کی جو شہرت کر رہے ہیں کہ ایسی ایسی بن گئی ہے یہ بھی جھوٹ ہے۔ اسی طرح میر مدثر شاہ صاحب نے روپیہ کھا جانے کے الزام لگائے۔ اس پر جماعت پشاور نے مباہلہ کی اجازت مانگی یہ واقعات ہیں جن سے شاید مولوی صاحب نتیجہ نکالتے ہیں۔ ان کی طرف سے تو خاموشی رہی مگر ہماری طرف سے ان کے خلاف پروپیگنڈا ہوتا رہا۔

قاضی محمد یوسف صاحب کے متعلق میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اس وقت تک کہ دوبارہ

فساد رونما ہؤا قاضی صاحب عجب خان صاحب غیر مبائع کے ساتھ مل کر جو غیر مبائعین کی امداد میں بہت حصہ لیتے رہے ہیں یہ کوشش کر رہے تھے کہ دونوں فریق اور زیادہ قریب ہو جائیں۔ اس کے لئے انھوں نے ایک معاہدہ تجویز کیا اس کی شرائط بھی لکھیں۔ اس کے متعلق میں خان عجب خان صاحب سے کہوں گا کہ وہ شہادت دیں کہ ایسا ہؤا یا نہیں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ قاضی صاحب اتحاد کے خلاف کوشش کرتے رہے ہیں یا اور اتحاد قائم کرنے کی۔

اب میں مولوی صاحب کے چیلنج کو قبول کرتا ہؤا اعلان کرتا ہوں کہ وہ ان دونوں بورڈوں میں سے کوئی سا منظور کر لیں اور پھر جو فیصلہ ہو اس کی پابندی کی جائے۔ اگر میری طرف سے زیادتی ثابت ہو تو میں معافی مانگ لوں گا اور اگر میری طرف سے کسی اور کی زیادتی ثابت ہو تو وہ معافی مانگے گا۔ اسی طرح مولوی صاحب اپنے اور اپنے ساتھیوں کے متعلق اعلان کریں ان کے نقطہ نگاہ سے میرے لئے معافی مانگنا تو بہت مشکل بات ہے کیونکہ میں ان کے نزدیک پیر پرستی قائم کرنے والا ہوں اور وہ چونکہ پیر پرستی کو دور کرنے والے ہیں اس لئے ان کے لئے معافی مانگنا آسان ہے۔ پھر اس تجویز کو قبول کرنے میں انھیں کیا عذر ہو سکتا ہے۔

مولوی صاحب نے اپنے مضمون میں میری خوابوں کی تضحیک کی اور تمسخر کیا ہے مگر ان کو قرآن کریم کا وہ قول یاد کر لینا چاہئے جس میں بتایا گیا ہے کہ اگر یہ جھوٹا ہے تو جھوٹ اس پر آپڑے گا اور اگر سچا ہے تو تمہیں فکر کرنی چاہئے کہ تم پر وبال نہ آپڑے۔ اگر میں نے خوابیں خود بنا کر بیان کیں ہیں تو مولوی صاحب کو خوش ہونا چاہئے کہ ان کا راستہ صاف ہونے لگا ہے اور اگر خوابیں سچی ہیں تو ان کی تضحیک کرنے سے ان کو ڈرنا چاہئے۔ سچے خواب کی تضحیک گو وہ نبی کا نہ ہو کچھ نہ کچھ خدا کی ناراضگی کا باعث ضرور ہوتی ہے۔

باقی یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مجھے بیسیوں خواب آتے ہیں جو پورے ہو جاتے ہیں۔ آج ہی ایک خواب پورا ہؤا ہے۔ بے شک مولوی صاحب اس پر بھی ہنسی اڑالیں۔ میرے لڑکے ناصر احمد نے اس سال مولوی فاضل کا امتحان دیا تھا۔ دو پرچے وہ دے چکا تھا اور تیسرا ابھی نہ دیا تھا کہ میں نے دیکھا وہ قادیان آگیا ہے اور کہتا ہے پرچہ خراب ہؤا ہے۔ میں نے کہا تمہارے گھبرانے کے سبب سے ایسا ہؤا تمہیں امتحان پورا دینا چاہئے۔ اس خواب میں بتایا گیا تھا کہ خدا کے نزدیک وہ دوسرے پرچہ پر ہی واپس آچکا ہے۔ آج اطلاع پہنچی ہے کہ وہ دوسرے پرچہ میں ہی فیل ہؤا ہے۔ اور یہ وہ پرچہ تھا جس کے متعلق اسے اطمینان تھا کہ اچھی طرح ہو گیا ہے۔

اسی طرح تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ میں نے دیکھا۔ ایک معزز غیر احمدی کا تار چودھری ظفر اللہ خاں صاحب کے نام کسی کام کے متعلق آیا ہے میں نے بعض دوستوں کو یہ خواب بتایا۔ اس کے بعد چودھری صاحب کی چٹھی آئی جس میں اسی طرح کا تار آنے کا ذکر کرتے ہوئے ایک اہم کام پر جانے کا ذکر کیا تھا تو خدا کے فضل سے متواتر خوابیں آتی رہتی ہیں جو پوری ہوتی ہیں اسی طرح اور لوگوں کو بھی میری تائید میں آتی ہیں۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ خان دلاور خان صاحب نے لکھا کہ انہوں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک غیر مذہب کے مقابلہ میں مجھے عظیم الشان کامیابی ہوئی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے کہ کبھی مؤمن کو سچے خواب دکھاتا اور کبھی اس کے لئے دوسروں کو دکھاتا ہے۔ اس پر اگر مولوی محمد علی صاحب ہنسی اور تمسخر کرتے ہیں تو کریں ان کی مرضی۔ میں خدا کے فضل سے ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اللہ پر افتراء کرتے ہیں۔ میں تو بہت سی ایسی خوابیں جو پوری ہو جاتی ہیں وہ بھی بیان نہیں کرتا۔ مولوی صاحب نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے۔ میں اس میں ان کو معذور سمجھتا ہوں۔ وہ اس امت کے انعامات پر بحث کرتے کرتے ایک طرف تو اس کے لئے خوابوں کا دروازہ کھولنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسری طرف جسے سچی خواب آئے اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ گویا عملاً وہ یہ بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ کسی کو خواب آئے۔ مگر میں تو یہی دعا کرتا ہوں کہ انہیں خدا تعالیٰ سچے خواب دکھائے اور اس طرح انہیں بتادے کہ وہ غلطی پر ہیں تا جھگڑے کا فیصلہ ہو جائے خدا تعالیٰ لَھُمُ الْبُشْرٰی کی بشارت ان کے حق میں بھی پوری کرے تاکہ جھگڑا مٹ جائے۔ وہ مجھے مفتری کہتے ہیں لیکن میں ان کے لئے یہی کہتا ہوں خدا تعالیٰ ان کے لئے رستہ کھول دے تاکہ وہ ایسی راہ اختیار کریں کہ جھگڑا فساد مٹ جائے۔

بالآخر میں پھر کہتا ہوں میں اس جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے لئے ان کا چیلنج قبول کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ جس سپرٹ میں مَیں نے اس بات کو بیان کیا ہے اسی سپرٹ میں وہ اسے قبول کر لیں گے۔

(الفضل ۱۸/ ستمبر ۱۹۲۸ء)